احساساتِ فارغ

مصنّف

لکشمی نارائن فارغ

ناشر

راجستھان اردو اکادمی جے پور

غلط نامہ

صفحہ و شعر		اغلاط	تصحیح
۴	(۱)	بے کمال	بے مثال
۱۸	(۳)	نذرِ آتشیں	نذرِ آہِ آتشیں
۲۴	(۱)	وخانہ	وفا پرورنہ
۴۶	(مقطع)	چن	جس
۴۸	(۳)	پوچھو	پوچھ
۵۳	(۲)	گوار	گوارا
۵۷	(۴)	سوئے دوست	پہلوئے دوست
۶۰	(۲)	سکوں پسندی	سکوں پسند
۷۶	(۴)	کہ مسند نشیں	کہ ہیں مسند نشیں
۷۸	(۱)	آدمی کا مزاج عاشقانہ	آدمی کا مزاج عاشقانہ بھی
۸۰	(۱)	ہر چار سو	چاروں طرف
۸۷	(۳)	دردِ نہاں مختصر	مختصر برق و شرر
۸۹	(۱)	نہ روا	ناروا -
۹۲	(۱)	ہوتے ہیں خوگر	ہوتے نہیں خوگر
۹۵	(۱)	ہی سجائی نہ گئی	ہی کو سجایا جائے
۹۶	(۳)	جگانے لائے	جگانے کے لئے
۹۶	(۳)	فتنۂ نقصِ تمنا	فتنۂ نقشِ تمنا
۱۰۰	(۴)	بن کی نظروں	جن کی نظروں
۱۰۰	(۶)	میکدہ بدوش	میکدہ بردوش
۱۱۷	(۴)	کرکے تو کرکے	کرے تو کرے
۱۱۷	(۵)	زرف	ظرف
۱۱۸	(۲)	بات ہو نہ سکتی	بات ہو نہ سکی
۱۲۰	(۳)	مٹا ہوا لفظ	تمہاری
۱۲۴	(۳)	مٹا ہوا لفظ	اُڑائے
۱۲۶	(۲)	"	دِل
۱۳۲	(۲)	وفضاہیں	وضاہیں
278	(2)	زمانے	اب زمانے

نظر قابو میں ہے اپنی نہ قابو میں ہے جی اپنا
اثر رگ رگ میں اب تو کر چکی دیوانگی اپنا

کبھی اُلجھا گریباں سے کبھی اُلجھا میں دامن سے
یہی عادت رہی اپنی رہا شیوہ یہی اپنا

ترا لطف و کرم برحق مگر اے ساقیٔ دوراں
وہی ہے تشنگی اپنی وہی جام تہی اپنا

زباں ہو خنجر فولاد کی یا نوک مژگاں کی
بیاں کرتا ہے قصہ ہر زباں سے آدمی اپنا

بتوں کو پوجتا ہوں اور خدا کا نام جپتا ہوں
زمانے سے نرالا ہے مذاقِ بندگی اپنا

فضا بدلے تو بدلے کس طرح بزمِ تصوّر کی
نہ ذوقِ آگہی اپنا نہ ذوقِ گمرہی اپنا

بنا ڈالا مجھے بیگانۂ ذوقِ جنوں فارغ
بڑا گمراہ کن نکلا مذاقِ بے خودی اپنا

زندگی میں نہ ملا جن کو سکونِ خاطر
اُن کی تُربت پہ نہ کہرام مچایا جائے

رات دِن زلفِ پریشاں کے سنا کر قِصّے
دلِ ناداں کو نہ دیوانہ بنایا جائے

خوابِ غفلت سے زمانے کو جگانے لائے
فِتنۂ نقصِ تمنّا نہ جگایا جائے

کوئی اپنا ہو کہ ہو کوئی پرایا فارغ
بارِ احساں نہ کسی کا بھی اٹھایا جائے

●●

پسند آیا تو ذوقِ سعیٔ لاحاصل پسند آیا
بصد مشکل سہی اک عقدۂ مشکل پسند آیا

چلن ہر دور میں جاری رہا باطل پرستی کا
نظامِ دہر کو ہنگامۂ باطل پسند آیا

چراغِ زیست بھی بجھنے سے پہلے رقص کرتا ہے
چراغِ زیست کو بھی شیوۂ بسمل پسند آیا

سکونِ زیست کی نعمت میسّر تھی مگر پھر بھی
نہ جانے کیوں بشر کو اضطرابِ دل پسند آیا

مری چشمِ بصیرت کو مری شمعِ تصوّر کو
فروغِ مطلعِ خورشیدِ مستقبل پسند آیا

جہاں میں تشنہ لب لاکھوں سہی فارغ مگر پھر بھی
مذاقِ تشنہ کامی کو مرا ہی دل پسند آیا

مائلِ تدبیر بھی ہُوں قائلِ تقدیر بھی
معتبر ہیں بال و پر بھی، معتبر زنجیر بھی

زندگی مجموعۂ فکرِ پریشاں ہی نہیں
زندگی ہے دفترِ احساس کی تفسیر بھی

ڈھونڈتا رہتا ہُوں مرکز بیخودیٔ شوق کا
دیکھتا رہتا ہُوں پہروں میں تری تصویر بھی

کیوں نہیں پہلا سا اب وہ دبدبہ صیّاد کا
ہیں وہی دار و رسن بھی، حلقۂ زنجیر بھی

شام سے تا صبح دیکھا میں نے خوابِ آرزو
صبح سے تا شام دیکھی خواب کی تعبیر بھی

داد دیتے تھے کبھی جو جوہرِ کردار کی
زنگ آلودہ ہے اُن کا جوہرِ شمشیر بھی

زندگانی پر کرے فارغ کوئی کیا تبصرہ
زندگانی خواب بھی ہے خواب کی تعبیر بھی

●●

ہے گلِ خنداں اگر لبریزِ انوارِ حیات
خارِ دامنگیر بھی ہے آئینہ دارِ حیات

سرد پڑتی جا رہی ہیں زیست کی چنگاریاں
ہے مگر شعلہ بداماں شمعِ افکارِ حیات

حضرتِ انساں کی بھی مجبوریاں تو دیکھیے
دل ہے پابندِ تمنّا۔ جاں گرفتارِ حیات

ماند پڑ سکتی نہیں اُن کے تصوّر کی ضیا
بن کی نظروں میں ہو جلوہ ریز رخسارِ حیات

عالمِ جذبات بدلے لاکھ اپنے پیرہن
ہم نے بدلا ہے نہ ہم بدلیں گے معیارِ حیات

میکدہ بدوش ہے فارغ نظامِ زندگی
ذرّہ ذرّہ بزمِ عالم کا ہے سرشارِ حیات

تا حدِّ نظر اب تو طوفاں نظر آتا ہے
پھر زد میں حوادث کی انساں نظر آتا ہے

جو دل سے مقدس ترکعبے کو سمجھتے ہیں
مشکوکؔ مجھے ان کا ایماں نظر آتا ہے

○

اُس دور میں رہتا تھا انساں اگر عُریاں
اِس دور میں بھی انساں عریاں نظر آتا ہے

جیتے ہُوئے مرجانا آساں نہیں لیکن
مرمر کے جئے جانا آساں نظر آتا ہے

○

آزارِ مسلسل کا خوگر ہے اگر انساں
منت کشِ درماں بھی انساں نظر آتا ہے

فارغ نے بدل ڈالی بنیادِ صنم خانہ
بگڑا ہُوا کافر کا ایماں نظر آتا ہے

کبھی انکار ہوتا ہے کبھی اقرار ہوتا ہے
بڑی مشکل سے رازِ عشق کا اظہار ہوتا ہے

کبھی برسوں میں تکمیلِ حدیثِ عشق ہوتی ہے
کبھی صدیوں میں کوئی مائلِ ایثار ہوتا ہے

محبت سے فضائے آرزو ہموار ہوتی ہے
محبت سے بلند احساس کا معیار ہوتا ہے

وفا سے بھی وفورِ شوق کی تائید ہوتی ہے
جفا سے بھی وفورِ شوق کا اظہار ہوتا ہے

کبھی دِل کو لُبھاتی ہے فضا بزمِ تصوّر کی
کبھی دامن کشِ دِل آستانِ یار ہوتا ہے

بڑی مشکل سے ہوتی ہے جِلا آئینۂ دِل کی
بڑی مشکل سے صیقل جوہرِ کردار ہوتا ہے

سہارا ڈھونڈنیوالے بھی فارغ ڈُوب جاتے ہیں
سفینہ بے سہاروں کا بھی اکثر پار ہوتا ہے

●●

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

اعتبارِ آرزو کا کرّوفر جاتا رہا۔
دِل سے عرفانِ محبت کا اثر جاتا رہا

شمع سوزِ غم کا قصّہ رات بھر کہتی رہی
دے کے پروانہ پیامِ مختصر جاتا رہا

عہدِ رفتہ کو نہ دیکھا لوٹ کر آتے ہوئے
اعتبارِ گردشِ شام و سحر جاتا رہا

یاد تیری جسے ستاتی ہے
صبح اس کو نہ شام بھاتی ہے

جب فضائیں خموش ہوتی ہیں
رُوحِ کونین گنگناتی ہے

ضبط کر کے بھی ہم نے دیکھ لیا
آہ لب سے نکل ہی جاتی ہے

صُبحِ فصلِ بہار کی صُورت
نوجوانی نکھرتی جاتی ہے

نوجوانی میں آرزو فارغ
خود بخود دِل کو گدگداتی ہے

ہو سکے گا پھر نہ صیقل جوہرِ کردارِ زیست
گر جہاں سے اعتبارِ خیر و شر جاتا رہا۔

اعتبارِ آرزوِ مختصر باقی سہی
اعتبارِ جذبۂ فکر و نظر جاتا رہا

مشکلاتِ عشق کا عقدہ نہ پھر بھی وا ہوا
نامہ بر آتا رہا اور نامہ بر جاتا رہا۔

فکرِ بیش و کم کے فارغ مرحلے طے ہو گئے
دل سے احساسِ غم نفع و ضرر جاتا رہا

●●

شمع بنکر ناز پروانوں سے فرماتے ہیں آپ
بتکدے میں پیکرِ تصویر بن جاتے ہیں آپ

کھا رہا ہوں پھر بھی رہ رہ کر فریبِ جستجو
تا حدِ فکر و نظر گرچہ نظر آتے ہیں آپ

گوش بر آواز ہوتی ہے فضائے دو جہاں
شب کے سناٹے میں جب تقریر فرماتے ہیں آپ

دے کے دزدیدہ نگاہوں سے پیامِ آرزو
منتشر شیرازۂ جذبات کر جاتے ہیں آپ

دیکھکر کیوں آسماں پر کالی کالی بدلیاں
شدّتِ جذبات کی تصویر بن جاتے ہیں آپ

خود بخود ساز تغزل چھیڑ دیتی ہے فضا
راگنی جذبات کی جب چھیڑ کر گاتے ہیں آپ

جانتے ہیں آپ جب فارغ مآلِ جستجو
وادی و کہسار میں کیوں ٹھوکریں کھاتے ہیں آپ

••

مدّتوں دِل کو تری یاد سے بہلایا ہے
جب کہیں راس یہ دستورِ وفا آیا ہے

یاد جب آئی تو بن کر کے قیامت آئی۔
جب بھی آیا ہے بلا بن کے خیال آیا ہے

فکرِ ناحق کو نہ سینے سے لگاؤں کیسے
فکرِ ناحق ہی مری زیست کا سرمایا ہے

میں نے تہذیبِ یقیں کا بھی تماشا دیکھا
میں نے اوہام پرستی کو بھی اپنایا ہے

دِل کو آئے تو سکوں کیسے میسر آئے
زلفِ برہم کا مرے سر پہ ابھی سایا ہے

اپنی کوتاہیوں پر اُن کو حیا بھی آئی
مری کوتاہیوں پر اُن کو عتاب آیا ہے

غیر تو غیر سہی اپنوں کو بھی اے فارغ
میں نے بیگانہ دستورِ وفا پایا ہے

نگاہ جن کی حقیقت نگر نہیں ہوتی
دلیل اُن کی کوئی معتبر نہیں ہوتی

نہ ہوگی ختم کبھی داستانِ رنج والم
یہ وہ کہانی ہے جو مختصر نہیں ہوتی

دِل و نگاہ کا نقشہ بدلتا رہتا ہے
دِل و نگاہ کو لیکن خبر نہیں ہوتی

خیال و خواب میں ہوتی ہیں اُن سے ہی باتیں
وہ جن سے بات سرِ رہگذر نہیں ہوتی

فغانِ نیم شبی بے اثر سہی فارغ
دُعائے صبح مگر بے اثر نہیں ہوتی

آئی فضائے صُبحِ حسیں بھی ہمیں نہ راس
دِل بھی رہا اُداس نظر بھی رہی اُداس

کِس درجہ خود پسند ہے انسان کا مزاج
ہے راہبر کا پاس نہ ہے راہزن کا پاس

ہنگامۂ شباب کا عالم بدل گیا۔
بدلا نہ غور و فکر نے اپنا مگر لباس

شیرازۂ حیات ہوا منتشر مگر
محفوظ ہے بیاضِ تمنّا کا اقتباس

اِس بھید کو سمجھ نہ سکا آج تک کوئی
خاموش کیوں ہے اُن کی نگاہِ فضا شناس

کیوں سازگار آئے نہ دورِ خزاں مجھے
اس میں رچی ہوئی ہے ابھی تک گلوں کی باس

فکرِ نشاطِ کار سے رہتے ہیں دُور دُور
محرومیٔ حیات کا فارغ جنہیں ہے پاس

عُقدۂ زیست وا نہیں کرتے
قیدِ غم سے رہا نہیں کرتے

کون سمجھائے قلبِ مضطر کو
فکرِ فردا کیا نہیں کرتے

جبہ سائی تو لوگ کرتے ہیں
سجدۂ بے ریا نہیں کرتے

تذکرہ حادثاتِ اُلفت کا
ہر کسی سے کیا نہیں کرتے

دادِ اُلفت وہ دیں تو دیں کیسے
دادِ اُلفت دیا نہیں کرتے

دِل ہے آسودۂ وفا جن کا
وہ کسی کا گلہ نہیں کرتے

بے سبب جن کو قید کرتے ہیں
اُن کو فارغ رہا نہیں کرتے

دردِ جب دِل میں سما جاتا ہے
لذّتِ زیست بڑھا جاتا ہے

خونِ معصوم سے دیواروں پر
غم کا افسانہ لِکھا جاتا ہے

اب تو ہر جذبۂ بے باک کا بھی
حوصلہ پست ہوا جاتا ہے

جانے کیوں مجھ کو حیا آتی ہے
وار جب ان کا خطا جاتا ہے

غمِ ایّام کا ہر اک منظر
شِدّتِ درد بڑھا جاتا ہے

رفتہ رفتہ دِلِ دیوانہ بھی
محرمِ راز ہوا جاتا ہے،

بے گناہوں کا بھی اب تو فارغ
جینا دشوار ہُوا جاتا ہے

جام بدلا ہے نہ اس نے اپنا پیمانہ ابھی
مائلِ رسمِ کہن ہے پیرِ میخانہ ابھی

شمع تو دو چار آنسو ہی بہا کر رہ گئی
پاسبانِ سوزِ غم ہے خاکِ پروانہ ابھی

منزلِ آغاز کی سرگرمیاں برحق مگر
کاہشِ انجام سے ہے زیست بیگانہ ابھی

شوخیٔ جذبات کے عنواں مرتّب ہو گئے
نامکمل ہے غمِ دوراں کا افسانہ ابھی

گرچہ پہلا سا نہیں فارغ وقارِ برہمن
معتبر بزمِ جہاں میں ہے صنم خانہ ابھی

نہ قبل صبح آتا ہے نہ بعد شام آتا ہے
ترا پیغام آتا ہے تو بے ہنگام آتا ہے

کوئی منزل ہو کوئی مرحلہ ہو زندگانی کا
تحمل ہر قدم پر آدمی کے کام آتا ہے

ترا پیغام دیتی ہے فضائے صبح خنداں بھی
براہِ راست بھی تیرا مگر پیغام آتا ہے

سجاتا ہوں فضا جب بھی میں ایوان تصوّر کی
مرے سر آرزوئے خام کا الزام آتا ہے

ازل سے سلسلہ جاری سہی آغازِ الفت کا
مگر صدیوں میں کوئی مائلِ انجام آتا ہے

نہ صُبحیں راس آتی ہیں نہ شامیں راس آتی ہیں
نظامِ بزمِ فردا بھی برائے نام آتا ہے

فضائے دِل میں ہنگامہ بپا ہوتا ہے کیوں فارغ
اگر لب پر کسی کا فرادا کا نام آتا ہے

سکونِ دل مجھے حاصل کہاں ہے
مرے قابو میں میرا دِل کہاں ہے

یہ طوفاں اور یہ امواج و گرداب
خدائے کشتی و ساحل کہاں ہے

میں ہر اک نقشِ پا سے پوچھتا ہوں
سکونِ رُوح کی منزل کہاں ہے

محبّت کا ہے اِک انجام و مقصود
محبّت سعیٔ لاحاصل کہاں ہے

بُتِ آذر پڑا ہے نامکمّل
پرستش کے ابھی قابل کہاں ہے

غم و آلام سے دِل بے خبر ہے
بڑا ہشیار ہے غافل کہاں ہے

تمہیں گویا دکر لیتا ہے فارغ
تمہاری یاد کے قابل کہاں ہے

خزاں نے گر نچوڑا ہے رگِ گل سے لہو برسوں
ہوا ہے موسمِ گل میں بھی خونِ آرزو برسوں

ہنسی وہ بھی اُڑاتے ہیں مرے چاکِ گریباں کی
رہا چاکِ گریباں جن کا محتاجِ رفو برسوں

رہا جاری خزاں کا سلسلہ بھی موسمِ گل میں
گلستاں کو نہ راس آئی فضائے رنگ و بو برسوں

بلند عرشِ بریں سے تھا مقام آرزو جن کا
بھٹکتے اُن کو بھی دیکھا ہے میں نے کو بکو برسوں

نہ سمجھا آج تک میں بات کوئی مہ جبینوں کی
اگرچہ میں نے کی ہے اُن سے فارغ گفتگو برسوں

آمد و شُد کا تصوّر بھی روایاتی ہے
رُوح آتی ہے کہیں سے نہ کہیں جاتی ہے

دیکھتے دیکھتے تصویر بدل جاتی ہے
بزمِ عالم کا تماشا بھی طِلسماتی ہے

زِندگی مائلِ انجام نظر آتی ہے
صُبح بھاتی ہے نہ اب شام مجھے بھاتی ہے

صُبحِ اِمروز کے چھٹتے نہیں کالے بادل
شامِ رفتہ کی گھٹا آ کے برس جاتی ہے

مسئلہ کوئی بھی حل نہیں ہونے پاتا
سعیٔ پیہم بھی تو ناکام نظر آتی ہے

اب تو کم مائیگیٔ فکر و تصوّر آرغ
چارہ سازِ غمِ ایّام نظر آتی ہے

کی کشمکشِ زیست میں عُمرِ عزیز صرف
آنے دیا نہ سعیٔ مُسلسل پہ میں نے حرف

عُنواں کتابِ زیست کے بدلے گئے مگر
آئی سمجھ نہ پھر بھی کسی کو حدیثِ حرف

شعلے برس رہے ہیں فضاؤں سے رات دِن
لیکن جمی ہوئی ہے سرِ کوہسار برف

کوئی اگر رُکے تو رُکے کس کا اعتبار
رہزن وسیع ظرف نہ رہبر وسیع ظرف

ذہنِ بلیغ کام نہ آیا اگر کبھی کہے
آئی کسی کے کام نہ فارغ نگاہِ ژرف

تلافیٔ دلِ حسرت شعار کیا ہوگی
نگاہِ لطف و کرم بار بار کیا ہوگی

حریمِ ناز میں ان سے تو بات ہو نہ سکی
اب اُن سے بات سرِ رہگذار کیا ہوگی

تمام عمر نہ ہم پر بھی آشکار ہوئی
ہماری ذات زمانے پر آشکار کیا ہوگی

فریب خوردہ ذوقِ نشاط ہے دنیا
یہ بے نیازِ غمِ روزگار کیا ہوگی

حدیثِ عشق میں جور و جفا کا نام نہیں
کسی کی خاطرِ نازک پہ بار کیا ہوگی

سحر قریب ہے قصّہ تمام ہونے دو
بیاں حدیثِ الم بار بار کیا ہوگی

جبینِ ناز ابھی پُرشکن ہے اے آغا رغ
ادائے خندہ لبی خوشگوار کیا ہوگی

نظارۂ جمال کا خُوگر بنا گئے
وہ رفتہ رفتہ میرے تصوّر پہ چھا گئے

ہر مرکزِ حیات سے مردانِ سرفروش
بزمِ جہاں کو دے کے پیامِ بقا گئے

دامن کشِ حیات رہی فکرِ بیش و کم
ہر چند لوگ چاند ستاروں پہ چھا گئے

اس دورِ نامراد میں اہلِ جنوں کئی
سرمایۂ نشاطِ تمنّا لُٹا گئے

اہلِ جہاں کو ناز تھا جن کے خلوص پر
وہ رہنمائے منزلِ مہر و وفا گئے

کچھ ایسے سانحات سے بھی واسطہ پڑا
فارغ جو دل سے نقشِ مروّت مٹا گئے

شکستِ جام و سبو کا انہیں ملال نہیں
نزاکتِ غمِ دوراں کا بھی خیال نہیں

ہیں بزمِ ناز میں اپنے بھی اور پرائے بھی
کسی کو خاطرِ ناشاد کا خیال نہیں،

نظامِ فکر و تصوّر ہو متحّد کیسے
تری بزم میں کوئی بھی ہم خیال نہیں

نہ معتبر، کہیں بزمِ جہاں میں ہو جائے
وہ بے حجابی جو شائستہ جمال نہیں

حدیثِ زیست کے عنواں ہیں حادثاتِ حیات
حدیثِ زیست کے عنوان ماہ و سال نہیں

قدم قدم پہ وہ کھاتے ہیں ٹھوکریں فارغ
نظر میں جن کی کوئی مرکزِ جمال نہیں

جب کبھی فکرِ جواں دامنِ دل چُومے ہے
کتنی نادیدہ فضاؤں میں جنوں گھُومے ہے

کیوں حیا آتی ہے اہلِ گلستاں کو عبثؔ
کوئی دیوانہ بیاباں میں اگر گھُومے ہے

اپنے سائے سے بھی ڈرتا تھا بیابانوں میں
بے خطر اب تو فضاؤں میں بشر گھومے ہے

یادِ رفتہ بھی ستاتی ہے مجھے رہ رہ کر
فکرِ فردا بھی مرا دامنِ دل چُومے ہے

خُوب ہیں فکر و تصوّر کے بھی ایواں فارغؔ
زندگی شدتِ احساس کا در چُومے ہے

مروّت اور ہی کچھ ہے محبت اور ہی کچھ ہے
خلوصِ دِل کے جذبے کی حقیقت اور ہی کچھ ہے

نہ اب محوِ تماشا ہے نہ اب محوِ تصوّر ہے
دِلِ حسرت زدہ کی اب تو حالت اور ہی کچھ ہے

میں خود سے جب بھی غافل تھا میں خود سے اب بھی غافل ہوں
وہ غفلت اور ہی کچھ تھی یہ غفلت اور ہی کچھ ہے

نظامِ کج ادائی کی سیاست اور ہی کچھ تھی
نظامِ دل ربائی کی سیاست اور ہی کچھ ہے

ہیں تقریریں بھی لاحاصل ہیں تحریکیں بھی لاحاصل
نظامِ بزمِ امکاں کی ضرورت اور ہی کچھ ہے

بڑا دشوار گرچہ مرحلہ ہے جاں کنی کا بھی
تڑپنے تلملانے کی اذیّت اور ہی کچھ ہے

بڑی دقّت سے یہ عقدہ کیا ہے میں نے وا فارغ
یہ کثرت اور ہی کچھ ہے یہ وحدت اور ہی کچھ ہے

ہیں دامن میں سرورِ آرزو کے
ابھی ٹکڑے مرے جام و سبو کے

نہیں آتی خموشی راس جن کو
بہانے ڈھونڈتے ہیں گفتگو کے

نہ سُن باتیں وفورِ آرزو کی
نہ سُن شکوے دلِ آزردہ خو کے

متاعِ فکرِ فردا بیچ کھائی
اسیرانِ قفس تھے کتنے بھوکے

وہی باتیں ہیں اب بھی فکر و فن کی
وہی قصّے ہیں اب بھی ماؤ تو کے

کہاں فکرِ پریشاں کا یہ عالم
کہاں وہ دِن شبابِ آرزو کے

دِلِ ناداں کی خوشنودی کی خاطر
مٹا اے نشاں طوقِ گلو کے

لگے گنگا میں اب اشنان کرنے
جو قائل تھے نمازِ بے وضو کے

سلامت جذبۂ ایذا پسندی
نہیں محتاج ہم فارغ عدو کے

••

جہاں والوں سے برتی اس قدر بے گانگی میں نے
کہ برہم کرلیا اپنا نظامِ زندگی میں نے

سکھائے حسنِ کافر کو سلیقے خود نمائی کے
سنوارا پے بہ پے اپنا مذاقِ عاشقی میں نے

ہوئے روشن نہ پھر بھی بام و در فکر و تصوّر کے
ہزاروں بار کی بزمِ جہاں میں روشنی میں نے

دلِ ناعاقبت اندیش کی کوتاہ بینی کی
کبھی تائید کی میں نے کبھی تردید کی میں نے

ہزاروں بار، تہذیب و تمدّن کی فضا بدلی
ہزاروں بار اک دنیا نئی آباد کی میں نے

کیا افشا نہ رازِ غم کسی پر جیتے جی فارغ
بڑے صبر و تحمّل سے بسر کی زندگی میں نے

نہ ہے خزاں نہ ہے فصلِ بہار صحرا میں
فقط ہے گردشِ لیل و نہار صحرا میں

چمن میں جشنِ بہاراں منا کے دیکھ لیا
منا کے دیکھئے جشنِ بہار صحرا میں

یہ کس نے کہدیا تم سے کہ اے جہاں والو
ملے گی دولتِ صبر و قرار صحرا میں

ہمیشہ رکھتا ہوں رختِ سفر میں ساتھ اپنے
ہے میرے ساتھ غمِ روزگار صحرا میں

گلستاں میں تو کسی نے نہ بات تک پوچھی
سنے گا کون ہماری پکار صحرا میں

ہمارا صبر و تحمل تو دیکھئے فارغ
خزاں چمن میں گذاری بہار صحرا میں

تہ نشیں قلبِ حزیں میں ہے نہ چشمِ تر میں ہے
کیفِ عرفانِ تمنّا زیست کے ساغر میں ہے

سوچتا رہتا ہوں پہروں بتکدے میں بیٹھکر
جو تجلّی ہے نظر میں کیا وہی پتھر میں ہے

قہقہوں سے گونجتے ہیں جن کے ایوانِ رات دن
خاطرِ ویراں کا سناٹا بھی ان کے گھر میں ہے

رہنمائی کا چلن بدلا نہ اس نے آج تک
اعتمادِ رہنمائی کس قدر رہبر میں ہے

ایک دن عنواں کتابِ زیست کا بن جائے گا
وہ تخیّل جو ابھی تفسیرِ خیر و شر میں ہے

ہر قدم پر جس نظامِ فکر نے ٹوکا مجھے
وہ نظامِ فکر اب فارغ مری ٹھوکر میں ہے

خوئے تسلیم و رضا جن کو خُدا دیتا ہے
کاہشِ زیست سے بے گانہ بنا دیتا ہے

ہوش آتا ہے کبھی جب تِرے دیوانے کو
فکرِ باطل کے تقاضوں کو ہوا دیتا ہے

راہبر میرا کبھی اور کبھی میرا رہزن
راہ گم کردۂ منزل کا پتا دیتا ہے

حجّت آمیز ہے کس درجہ نظامِ عالم
اِسے جاہل اُسے فرزانہ بنا دیتا ہے

راس آتی نہیں جن کو بھی تصوّر کی فضا
اُن کو وارفتۂ اصنام بنا دیتا ہے

کر نہیں سکتا جو تعمیر کوئی شیش محل
رنگ آلودہ فضاؤں کو سجا دیتا ہے

نہ ملا اہلِ مروّت سے ہمیں کچھ فارغ
دشمن مہر و وفا دیکھئے کیا دیتا ہے

بات کرنے کا سلیقہ جسے حاصل ہوگا
وہ ہر اک بزم میں تعظیم کے قابل ہوگا

محفلِ ناز ہو یا محفلِ رندانہ ہو
فتنۂ حشر بپا ہوگا جہاں دل ہوگا

خون پانی کی طرح میرا بہانے والا
نشترِ غم نہ سہی خنجرِ قاتل ہوگا

آئینہ خانہ میں تصویر تمہاری ہوگی
مری یادوں سے چراغاں سرِ محفل ہوگا

ناخدا کی نہ مرے بعد سنے گا کوئی
ناخدا سر بگریباں لبِ ساحل ہوگا

یہ تو فارغ مرے دشمن کو بھی معلوم نہ تھا
مرا سرمایۂ غم زیست کا حاصل ہوگا

نہ دامن سے نہ جیب و آستیں سے
ٹپک پڑتے ہیں دو آنسو کہیں سے

منوّر ہے شبستانِ تصوّر کہ
فروغِ جلوۂ شمعِ یقیں سے

تماشائے تصوّر ہم نے دیکھا
لگا کر دِل کسی پردہ نشیں سے

یہی دِل رہنمائے خیر و شر ہے
ہدایت سب کو ملتی ہے یہیں سے

نہ جانے کس کی دِل جوئی کی خاطر
نکلتے ہیں گلِ خودرو زمیں سے

بسا اوقات فکرِ نکتہ رس بھی
اُلجھ جاتی ہے فارغ علم و دیں سے

اشکِ غم آنکھ کے چشموں سے بہائے نہ گئے
خاک میں گوہرِ شہوار ملائے نہ گئے

دل کے ویرانے کسی طرح سجائے نہ گئے
ہوئے ویران جو یہ گھر تو بسائے نہ گئے

جو بیاں ہو نہ سکا راز وہ افسانہ بنا
نغمۂ غم وہ بنے راگ جو گائے نہ گئے

اُن پہ رُودادِ حقیقت کا اثر کچھ نہ ہوا
ہم سے افسانے حقیقت کے بنائے نہ گئے

آندھیاں آئیں گھٹائیں بھی مسلسل برسیں
دیپ جو ہم نے جلائے تھے بجھائے نہ گئے

نازغیروں کے تو ہم نے اُٹھائے فارغ
ناز اپنوں کے مگر ہم سے اٹھائے نہ گئے

میں ماتمی ہوں اپنے دِل سوگوار کا
مجھ سے کہے نہ کوئی فسانہ بہار کا

وجہِ سکونِ زیست ہے ازبسکہ تری یاد
لُطف آ رہا ہے دِل کو ترے اِنتظار کا

گلچیں سے تو نجات گلستاں کو مِل گئی
جاری مگر ہے سِلسلہ برق و شرار کا

پیری میں ہیں شباب کی بے اعتدالیاں
باقی خزاں میں رنگ ہے اب بھی بہار کا

اپنی حدیثِ غم تو بیاں ہم نہ کر سکے
کہتے رہے فسانہ غمِ روزگار کا

جس بے خودیٔ شوق پہ فارغ تھا مجھے ناز
اُس بے خودیٔ میں رنگ ہے اب انتشار کا

اسیرِ دامِ غفلت اِک جہاں ہے
کِسے اندازۂ سود و زیاں ہے؟

مِری بزمِ تصوّر کی فضا ہیں
نمودِ صُبحِ فردا ضوفشاں ہے

سکونِ زندگی کا ہے سہارا
تمنّا گرچہ سعیٔ رائیگاں ہے

ہزاروں انقلابات آئے لیکن
وہی میں ہُوں وہی کوئے بتاں ہے

نہ ساحل ہے نہ ہے کوئی کنارہ
محبّت ایک بحرِ بے کراں ہے

میں ہر اِک راہزن سے پوچھتا ہُوں
سکونِ زیست کی منزل کہاں ہے

سمجھتا ہے بُتِ کافر کو اپنا
غلط اندیشیٔ فارغ عیاں ہے

دُنیائے ارتقا کا ہے اِس میں نہاں نظام
عرشِ بریں سے کم نہیں ذرّے کا بھی مقام

کتنے ستم ظریف ہیں بزمِ جہاں کے لوگ
لیتے ہیں مجھ سے میری وفا کا بھی اِنتقام

حاصل فضائے دہر کو یہ امتیاز ہے
ہر ذرّہ مطمئن ہے ہر اک برگ شاد کام

بدلا نظامِ بزمِ تمنّا ہزار بار
بدلی فضائے صبح نہ بدلی فضائے شام

مخمورِ مئے آرزو رہتا ہوں رات دِن
آئے ہیں بزم ناز سے اب بھی مجھے پیام

رکھتے نہیں غرض وہ مئے انبساط سے
لبریز ہے شرابِ محبّت سے جن کا جام

رازِ غمِ حیات کا پردہ کیا نہ فاش
رسوا کیا جہاں میں نہ فارغؔ کسی کا نام

●●

جپا نام تیرا نہ تجھ کو پکارا
محبّت نے ڈھونڈا نہ کوئی سہارا

کبھی ہار کر ہم نے جیتی ہے بازی
کبھی ہم نے جیتا ہوا کھیل ہارا

جوانی بصد امتیازِ تمنا
غمِ عشق کا ڈھونڈتی ہے سہارا

کبھی رخنہ گر دل میں خارِ تمنّا
کبھی کارفرما غمِ آشکارا

کبھی شامِ رفتہ کو دی ہم نے دعوت
کبھی صبحِ فردا کو ہم نے پکارا

یہ تعبیرِ خوابِ محبت ہے فارغ
نہ ہم ہیں کسی کے نہ کوئی ہمارا

کنشت و دیر میں شام و سحر پوجا گیا کوئی
بنا پایا مگر پھر بھی نہ اس بت کو خدا کوئی

سفینہ جب ترے ہوتے ہوئے بھی ڈوب سکتا ہے
اٹھائے پھر ترا احسان کیوں اے ناخدا کوئی

خیاباں در خیاباں میرے گلشن میں بہار آئی
بہارِ رنگ و بو بن کر نظر پر چھا گیا کوئی

غمِ دنیا، غمِ الفت برابر کے مراحل ہیں،
نہ اس کی ابتدا کوئی، نہ اس کی انتہا کوئی

جہاں میں عشق سے ایمان کا معیار قائم تھا
حدیثِ دین و ملت سے نہ تھا جب آشنا کوئی،

بعنوانِ محبت زندگی کے دو فسانے ہیں
پرستارِ وفا کوئی تو مجبورِ جفا کوئی

یہ ہے گوشہ نشینی کا کرم فارغ کہ محفل میں
نہ اپنا کوئی دشمن ہے نہ اپنا آشنا کوئی

تسکین دے سکی نہ کوئی بزمِ رنگ و بُو
اب تک گلِ فرار کی جاری ہے جستجو

تیری تلاش سے مجھے اپنا پتہ چلا
یہ تیری جستجو تھی کہ اپنی تھی جستجو

فطرت کی وادیوں میں بھی ہے تو ہی جلوہ گر
طورِ خودی و ناز پہ تنہا نشیں ہے تو

نظارۂ جمال سے فرصت نہیں مجھے
ہر چیز پر بہار ہے ہر شے ہے خوبرُو

میری نظر کو جستجوئے ساحلِ قرار
تیری نظر ہے خالقِ طوفانِ آرزو

ذرّوں سے پوچھتا ہوں سراغِ رہِ حیات
تاروں میں ڈھونڈتا ہوں مقاماتِ آرزو

پھر بھی سکونِ روح میسر نہیں مجھے
دنیا کی آرزو ہے نہ عقبیٰ کی آرزُو

فارغ اُسی کا کیف و اثر زندگی میں ہے
نظم و نظامِ زیست ہے مرہونِ آرزو

بزمِ الفت [illegible] نہ واقف ہیں مقامِ دل سے ہم
ہیں ابھی ناآشنا رسم و رہِ منزل سے ہم

دیکھکر دامانِ دریا کی تنک سامانیاں
تشنہ لب ہی لوٹ آتے ہیں لبِ ساحل سے ہم

آئے تھے بزمِ جہاں میں لے کے تیری آرزو
یاد تیری لے کے جائیں گے تری محفل سے ہم

دے سکے پھر بھی نہ اپنی جانفشانی کا ثبوت
بارہا لپٹے اگرچہ خنجرِ قاتل سے ہم

رازِ سربستہ کا عقدہ وا نہ پھر بھی ہو سکا
رات بھر کرتے رہے باتیں مہِ کامل سے ہم

سلسلہ فکرِ کہن کا بارہا بدلا مگر
بڑھ سکے پھر بھی آگے حدِّ مستقبل سے ہم

دیکھکر بدلا ہوا فارغ نظامِ دلبری
خود بہ خود اٹھ کر چلے آئے کسی محفل سے ہم

جہانِ رنگ و بو پر چھا رہا ہے۔
ہر اک پردے سے وہ جلوہ نما ہے

بشر ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا رہا ہے
سزا اپنے کئے کی پا رہا ہے

تمنّا اور پھر اُن کی تمنّا
یہ عُسرِ فانِ خودی کی انتہا ہے

بُتوں کو دیکھ کر آتا ہے تو یاد
بتوں کے حُسن میں جلوہ ترا ہے

کہیں تو ہے کہیں تصویر تیری
نہ کعبہ ہے نہ کوئی بُت کدہ ہے

تُمہاری یاد کر لیتا ہُوں تازہ
بتوں کو کون کافِر پُوجتا ہے

نہیں چارہ کسی کے پاس اِس کا
محبّت ایک دردِ لا دوا ہے

شرابِ زیست پیتا جا رہا ہُوں
سرُورِ ہوش بڑھتا جا رہا ہے

جگر میں چُبھ رہی ہے نوکِ مژگاں
بلا کا درد فارغ ہو رہا ہے

●●●

احساسات فارغ

لکشمی نارائن فارغ

راجستھان اُردو اکادمی جے پور

محشرِ صد آرزو بے شک ہمارے دل میں ہے
پر تو خورشیدِ محشر کس کے آب و گل میں ہے

چشمِ بینا چاہیئے، ذوقِ تمنّا چاہیئے
ایک خلدِ رنگ و بو روپوش آب و گل میں ہے

منتشر شیرازۂ بزمِ تمنّا ہو گیا
اُن کی تصویرِ حسیں لیکن ابھی تک دل میں ہے

دل پریشاں چشم حیراں آرزوئیں منتشر
کاروانِ شوق جانے کون سی منزل میں ہے

ہر قدم پر زندگی و موت کا ہے سامنا
ذرّہ ذرّہ عالمِ فانی کا کس مشکل میں ہے

یاس پر پابندیاں، اُمید پر پابندیاں
چند روزہ زندگانی کس قدر مشکل میں ہے

کاروبارِ عشق ہو یا کاروبارِ روزگار
زندگی کا لطف فارغ سعیٔ لاحاصل میں ہے

دل نثارِ کاکل و رُوئے حسیں ہوتا رَہا۔
رات دِن صیقل مذاقِ کفُر و دیں ہوتا رہا

زِندگی کی اُلجھنیں شام و سحَر بڑھتی گئیں
منتشر شیرازۂ فکرِ حسیں ہوتا رہا

نازفرماتا رہا کوئی حریمِ ناز میں
ایک عالم نذرِ آتشِیں ہوتا رہا

چشمِ باطن پر رمُوزِ آگہی کھلتے رہے
روز و شب محکم مرا ذوقِ یقیں ہوتا رہا

عاشقی تھی زندگی کا تلخ تر وہ تجربہ
مدّتوں جس پر گمُانِ انگبیں ہوتا رَہا

شدّتِ احساس پر فارغِ جلا ہوتی رہی
اور دِلِ حرمانِ طلب اندوہگیں ہوتا رہا

جگمگاتا ہے وہی عشق کا عنواں ہو کر
درد رہ جائے جو ناقابلِ درماں ہو کر

یوں تو ہر غم سے جلا ہوتی ہے دل کی لیکن
جامِ جم بنتا ہے وقفِ غمِ جاناں ہو کر

بزمِ عالم کو کیا بوئے وفا سے معمور
نکہتِ گل کی طرح ہم نے پریشاں ہو کر

زندگی طرزِ عمل اپنا بدل لیتی ہے
خود بخود اپنی خطاؤں سے پشیماں ہو کر

کوئی سرگشتۂ منزل ہی بتا سکتا ہے
لطف ملتا ہے جو منزل سے گریزاں ہو کر

کافرِ عشق بنے اُس کے لئے ہم فارغ
جس کو اپنا نہ سکا کوئی مسلماں ہو کر

جو اپنا فکر و تصوّر بدل نہیں سکتے
حدودِ ہوش سے آگے نکل نہیں سکتے

یہ حادثاتِ زمانہ نہیں جو ٹل جائیں۔
یہ حادثاتِ محبت ہیں ٹل نہیں سکتے

ہزار بدلے زمانہ رسومِ ناز و نیاز
ہم اپنا ذوقِ تمنّا بدل نہیں سکتے

یہ رنگ و بوئے گلستاں یہ اہتمامِ بہار
مری فضائے تصوّر بدل نہیں سکتے

خُدائے کشتی و ساحِل ہے ناخُدا میرا
مِرے سفینے کو طوفاں نِگل نہیں سکتے

اُنہیں عطا نہیں ہوتا مآلِ پروانہ
جو اپنے سوزِ محبّت میں جل نہیں سکتے

وہی زمانے کی کھاتے ہیں ٹھوکریں فارغ
جو پی کے جامِ تمنّا سنبھل نہیں سکتے

•••

یہ دستور کیسا ہے تیرے جہاں کا خدایا یہ کیسی ہے تیری خدائی
گرفتارِ دام بلا ہو گئے ہم ملی گر کمندِ وفا سے رہائی

بدلتی رہی ہے فضائے تصور، بدلتا رہا ہے نظامِ تمنا
مگر تیری محفل کا بدلا نہ عالم وہی سرد مہری وہی کج ادائی

سکونِ قفس بھی میسر تھا مجھکو، میسر ہے آسائشِ آشیاں بھی
خرابی تو میرے مقدر کی دیکھو نہ وہ راس آیا نہ یہ راس آئی

نہ پوچھو زمانے میں کیا ہو رہا ہے، ہے بگڑی ہوئی اب فضا اس جہاں کی
کیسی ٹھوکروں میں حریمِ وفا ہے کہیں زیرِ پا مرقدِ آشنائی

درخشندہ نظروں میں موتی کی لڑیاں حیا میں نہائی ہوئی نوجوانی
رہے گی ابد تک مجھے یاد فارغ وہ صبحِ تمنا وہ شامِ جدائی

●●

مرے آب و گل میں شرارِ تمنّا مرے بر میں رازِ غم دو جہاں ہے
مری ابتدا کا یہی ہے فسانہ مری انتہا کی یہی داستاں ہے

تخیّل کی شورش کا مرکز کبھی دِل کبھی دِل نشاطِ تصوّر کا حامل
بقائے قفس کی کبھی فکرِ لاحق، کبھی خود یہ غارتِ گرِ آشیاں ہے

نہ دیر و حرم کی ہے تخصیص باقی. نہ باقی رسوماتِ بزمِ عقیدت
ہر اک سنگِ دراب، ترا سنگِ در ہے ہر اک آستاں اب ترا آستاں ہے

نہ غنچوں میں پہلی سی بوئے وفا ہے نہ پھولوں میں پہلی سی رنگینیاں ھیں
یہی رنگ و بُو ہے تو کیا رنگ و بُو ہے یہی گلستاں ہے تو کیا گلستاں ہے

لگاؤ ہے خوئے جفا سے ابھی تک وفا سے نہیں لاگ بزمِ جہاں کو
بقائے قفس کا تردّد ہے جاری کسے فکرِ آسائشِ آشیاں ہے

ہمیں خوابِ غفلت سے بیشک جگایا جرس کی نوائے مسلسل نے فارغ
وہی راہ و منزل کی دشواریاں ہیں، وہی سُست رفتاریٔ کارواں ہے

وفا [illegible] دیکھا کوئی دنیا دیکھ لی ہم نے
کہاں برباد کی اپنی متاعِ دوستی ہم نے

کوئی بام یقیں سمجھا کوئی عرشِ بریں جانا
کیا جب منتخب اپنا مقامِ بے خودی ہم نے

ہوئے جتنے بہم ساماں حصولِ شادمانی کے
کمی اتنی ہی کیفِ زیست میں محسوس کی ہم نے

وفاؤں پر ہماری اب جفائیں ناز کرتی ہیں
سنوارا اس قدر اپنا مذاقِ عاشقی ہم نے

بھرم اُن کی محبّت کا زمانے میں رکھا قائم
فریبِ آرزو کھا کر نباہی دوستی ہم نے

مِٹا کر امتیازِ کفر و ایماں بارہا فارغؔ
دیا ہے سارے عالم کو پیامِ آگہی ہم نے

●●

خواب میں بھی نہ کبھی اُن سے ملاقات ہُوئی۔
ہمیں حاصِل نہ کبھی وجہ مباہات ہُوئی

فِکر فردا ہے کبھی رنج و غم دوش کبھی
کِس قدر رُوحِ بشر موردِ آفات ہوئی

خستہ حالی پہ مِری اُن کو بھی رونا آیا کہ
بعد مدّت مِرے ویرانے میں برسات ہُوئی

وجہ آشوبِ تمنّا ہوا فکرِ جنّت کہ
وجہ آسودگیٔ رُوح مناجات ہوئی۔

تشنگی مٹ نہ سکی کام و دہن کی فارغ
زندگی مفت میں مرہونِ خرابات ہُوئی

سِلسلہ مطبوعات اکادمی نمبر

نام کتاب	———	احساساتِ فارغ
مصنف	———	لکشمی نارائن فارغ
سنِ طباعت	———	
مطبع	———	
تعداد بارِ اوّل	———	
کتابت	———	حاکم قمر چوک گھر الو ہاران گھاٹ گیٹ جے پور
قیمت	———	

آہ کرتے ہیں نہ سرگرمِ فغاں ہوتے ہیں
ایسے مظلوم زمانے میں کہاں ہوتے ہیں

نوجوانی کا تو عالم ہی جُدا ہے لیکن
عہدِ پیری میں بھی جذبات جواں ہوتے ہیں

پیرہن فکر و تصوّر کا بدل جاتا ہے
صبحِ فردا کے جب آثار عیاں ہوتے ہیں

خاک کے ذرّوں کو کوتاہ سمجھنے والو!
خاک کے ذرّوں میں کونین نہاں ہوتے ہیں

ایک لمحے میں سفر برسوں کا طے ہو جائے
ایسے لمحات میسّر ہی کہاں ہوتے ہیں

کوئی منزل ہو کوئی راہگذر ہو فارغ
ہر کہیں میرے ہی قدموں کے نشاں ہوتے ہیں

آہ و فریاد سے کب اِتنا بیاں ہوتا ہے
حالِ دِل جتنا نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے

جب بشر کثرتِ آلام میں گھِر جاتا ہے
صبحِ اُمید کا جلوہ بھی گراں ہوتا ہے

شِکوہ ہوتا ہے نہ ہوتی ہے شکایت کوئی
عِشق کا اور ہی انداز بیاں ہوتا ہے

جن کی نظروں میں بسی رہتی ہے صبحِ فردا
اُن کو احساسِ غمِ دوش کہاں ہوتا ہے

عشق سے ہوتی ہے ہموار فضائے جذبات
عشق برہم کنِ جذبات کہاں ہوتا ہے

ہائے تبدیلیٔ حالاتِ زمانہ فارغ
عشق کا چرچا نہ اب ذکرِ بتاں ہوتا ہے

●●

ضو فشاں ہے آج بھی سینے کا داغ
دے رہا ہے لو ابھی غم کا چراغ

کاہشِ رنجِ مُسلسل سے ملا
منزلِ عشق و محبّت کا سُراغ

عقل ہے پیمانۂ صہبائے ہوش
دِل شرابِ بے خودی کا ہے ایاغ

توڑ کر فارغ طِلسمِ آرزو کہہ
دِل نے پایا دونوں عالم سے فراغ

میکشِ مذہب میں روا ہے جلوۂ اصنام تک
حاملِ تسکینِ خاطر ہیں مرے اوہام تک

ذہنِ انساں نے کیا پیدا فسادِ علم و فن
قلبِ انساں نے کیا وا دفترِ الہام تک

ایک کیفِ مستقل احساس پر طاری رہا
ابتدائے آرزو سے عشق کے انجام تک

دیکھتا ہوں شام سے تا صبح خوابِ آرزو
دیکھتا ہوں صبح سے نیرنگِ عالم شام تک

دیکھ کر میرے جنونِ شوق کی سرگرمیاں
بن گئی تصویرِ حیرت گردشِ ایام تک

ہم نے دیکھا ہے تماشا آرزوئے خام کا
اپنے ایوانِ تصوّر کو سجا کر بام تک

جب بھی جلوہ گر تھا کوئی میری بزمِ شوق میں
جانتا تھا میں نہ فارغ جب کسی کا نام تک

●●

بجا ہے گر مجھے احساسِ مشکلات نہیں
مری حیات کا حاصل غمِ حیات نہیں
کسی کے حسنِ درخشاں کا بھی ہے آئینہ
حیات محض فروغِ تصوّرات نہیں
اُنہیں بھی بھیج کہیں سے اے داورِ محشر
یہ صبح روز قیامت ہے غم کی رات نہیں
مری بیاض میں ذکرِ غمِ حیات سہی
مری بیاض میں عنوانِ مشکلات نہیں
وہی ادائے تغافل وہی فریبِ خلوص
مگر جو بات تھی پہلے وہ آج بات نہیں
ہماری فطرتِ سادہ مزاج اے فارغ
فریب خوردۂ رسمِ تکلفات نہیں

نقابِ بزمِ تصوّر اُٹھائی جاتی ہے
شکست خوردوں کی ہمّت بڑھائی جاتی ہے

بھٹکنے لگتا ہے راہ وفا سے جب عالم
حدیثِ عشق ہماری سُنائی جاتی ہے

متاعِ ہوش و خرد بے بہا سہی لیکن
درِ حبیب پہ یہ بھی لُٹائی جاتی ہے

نظر سے ہوتی ہے لُطف و کرم کی بارش بھی
نظر سے برقِ تپاں بھی گرائی جاتی ہے

وفورِ شوق کی دیکھو تو مصلحت کوشی
جُنوں کی بات خِرد سے چھُپائی جاتی ہے

کِس اعتماد سے آغازِ دورِ اُلفت میں
خیال و خواب کی دُنیا بسائی جاتی ہے

فضائے رُوح پہ تاریکیاں مسلّط ہیں
حرم میں شمعِ عقیدت جلائی جاتی ہے

دِکھا دکھا کے مآلِ جنوں کی فِتنہ گری
بشر کو رسمِ مُروّت سِکھائی جاتی ہے

متاعِ عِشق و محبّت نگاہِ عالم سے
کِس احتیاط سے فارغ چھپائی جاتی ہے

●●

کبھی دامنِ دِل کبھی چشمِ تر سے
بِساطِ دوعالم پر انوار برسے

اَزل سے ابد تک مری کم نِگاہی
اُلجھتی رہی پردۂ خیر و شر سے

فضائے دو عالم کا دیکھا تماشا
بچا کر نظر ہم نے دیوار و در سے

عطا کر کے سعیٔ مُسلسل کا سودا
لئے کام قدرت نے کیا کیا بشر سے

فریبِ تماشا سہی بزمِ عالم
مگر دیکھئے تو ہماری نظر سے

عطا ہر بشر کو وہ کرتے ہیں فارغ
محبت کے لمحات کچھ مختصر سے

تعارف

لکشمی نارائن فارغ

خطۂ راجستھان میں خاص طور پر جے پور اور ٹونک اردو ادب کے گہوارے رہے ہیں۔ راجستھان کے تاریخی پس منظر میں شعراء اور ادباء نے اپنے اپنے حلقے میں اردو ادب کے فروغ کے لئے اپنی اپنی تحریروں سے اردو ادب کے نوک و پلک کو سنوارا ہے

جن کے ذریعہ سے راجستھان کی بنجر زمین نے نامور شعراء اور ادباء کو جنم دیا ہے جن سے شعر و سخن کی محفلیں آج بھی سجی رہتی ہیں۔

یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جناب لکشمی نارائن فارغ کا شمار جے پور کے کہنہ مشق اور قادر الکلام اور فنِ عروض کے ماہرین شعراء کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔

راجستھان کے شعراء میں آپ کا نام سرفہرست ہے آپ نے تقریباً ۶۷ برس پہلے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا اور آج بھی مشقِ سخن جاری ہے

تشلیل راجستھان کے وقت آپ کی شاعری شباب پر تھی اس وقت آپ عمر کے آخری لمحات میں ہیں کمزوری اور مسلسل علالت کی وجہ سے مشاعرے اور ادبی نشستوں میں آنا جانا عرصہ سے ترک کر دیا ہے، نہایت کمزوری اور بیماری کے باوجود آپ نے مشقِ سخن کو نہیں چھوڑا ہے گھر پر رہ کر بھی ادبی خدمات مسلسل جاری ہیں، اور جناب لکشمی نارائن فارغ صاحب سے

پُرسکوں کتنا سرُورِ غمِ جاناں نکلا
ہم جسے درد سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

زُلفِ شب گیر تری کُفرِ مجسّم نکلی
رُخِ روشن ترا سرچشمۂ ایماں نکلا

داغِ حسرت کی تجلّی کہیں خونِ اُمیّد
مطلعِ نور مرا چاکِ گریباں نکلا

سوزشِ فکر کے عنوان سجاتا ہی رہا
محرمِ رازِ جنوں قلبِ پریشاں نکلا

قلب فارغ نہیں تھا جذبات کا طوفاں روپوش
ہم سمجھتے تھے فرشتہ جسے انساں نکلا

●●

○

فکرِ دولت غمِ افلاس نہیں،
تہی دامن مرا احساس نہیں

جو بسر کرتے تھے کانٹوں میں کبھی
اب انہیں دامنِ گل راس نہیں

غنچہ و گل تو وہی ہیں لیکن
ان میں پہلی سی وہ بو باس نہیں

کاش وہ دیدۂ دل سے دیکھیں
جو یہ کہتے ہیں کہ وہ پاس نہیں

یہی اچھا ہے کہ مجبوروں کو
اپنی مجبوری کا احساس نہیں

راہبرِ شوق فراواں ہے اگر
راہزن کوئی بجز یاس نہیں

مجھے حاصل ہے متاعِ اُلفت
میری تقدیر میں افلاس نہیں

ان سے اُمّیدِ وفا کیا فارغؔ
رسمِ اُلفت کا جنہیں پاس نہیں

●●

فیضانِ کرم ہے عام ابھی وا قدرت کے ہیں میخانے
لبریز شرابِ تسکیں سے ہیں لالہ وگل کے پیمانے

انجام سے جن کو کام نہیں ہیں نفع وضرر سے بیگانے
موجود ہیں بزمِ عالم میں ایسے بھی ابھی تک دیوانے

تہذیبِ تمنّا بھی بدلی۔ اندازِ تصوّر بھی بدلا
لَو شمعِ یقیں کی ماند ہوئی ہیں سربگریباں پروانے

اے اہلِ جہاں معلوم بھی ہے دن رات جو سُنتے رہتے ہو
ہیں کس کی جفا کے یہ قصّے ہیں کس کی وفا کے افسانے

سامان سکونِ خاطر کا موجود ہے بزمِ عالم میں
محفوظ فضا میں ہیں اب بھی نل اور دمن کے افسانے

تسکینِ تمنّا ہوتی تھی جب صبر وسکوں کے قصّوں سے
دیتے ہیں پیامِ بیش وکم۔ اب عزم وعمل کے افسانے

ہرچند فروزاں شمعیں ہیں علم اور ہنر کی عالم میں
تاریک ہیں لیکن اے فارغ فکر اور نظر کے کاشانے

●●

کیے ہیں صبحِ بہاراں نے بھی جتن کتنے
مگر ہیں دامنِ گل میں ابھی شکن کتنے

ہماری خوئے وفا کا مذاق اڑاتے ہیں
ہمارے دوست بھی یارب ہیں پُر فتن کتنے

بدل سکا نہ بشر آج تک روش اپنی
بشر نے روزِ ازل سے کیے جتن کتنے

فریبِ خوردۂ بزمِ مجاز کیا جانیں
کہ مرحلے ہیں محبت کے دل شکن کتنے

بجا کہ ذوقِ تجسس ہے رہبرِ کامل
ہماری راہ میں لیکن ہیں راہزن کتنے

زباں پہ حرفِ تمنّا بھی لا نہیں سکتے
تمہارے چاہنے والے ہیں کم سخن کتنے

وطن پرستی کا سودا بجا سہی لیکن
بدل چکا ہے بشر آج تک وطن کتنے

طریقِ جور و جفا ہو کہ رسمِ مہر و وفا
ہر ایک بات میں اُن کی ہیں بانکپن کتنے

ہماری فطرتِ سادہ مزاج نے فارغ
سکھا دیئے ہیں زمانے کو فکر و فن کتنے

●●

نگاہِ لطف و کرم کا عجیب عالم ہے
کبھی ہے شعلۂ بداماں کبھی وہ شبنم ہے

شمیمِ گُل ہی پریشاں نہیں گلستاں میں
جہانِ حُسن کا سارا نظام برہم ہے

بگڑ چکی ہے اگرچہ فضا زمانے کی
نظر فریب مگر پھر بھی بزمِ عالم ہے

بلند بال نہ کیسے ہماری ہمّت ہو
ہمارے ہاتھ میں خوئے وفا کا پرچم ہے

زباں ہے سب کے دہن میں مگر ہے فرق اِتنا
کسی کی بات ہے خنجر کسی کی مرہم ہے

اگرچہ رسمِ وفا سے جہاں ہے بیگانہ
وفا کے دم ہی سے محکم بنائے عالم ہے

سرورِ بادۂ عشرت کے ساتھ اے فارغ
مرے خمیر میں غلطیدہ شدّتِ غم ہے

نہ راس آیا تکبّر نہ سرکشی آئی
جو راس آئی کبھی تو فروتنی آئی

ذرا سی ہستی موہوم اور غرور اتنا
بشر کو دیکھ کر اکثر مجھے ہنسی آئی

فروغ علم نے خیرہ کیا نگاہوں کو
ہماری راہ میں حائل یہ روشنی آئی

تصوّرات کی دُنیا لئے ہوئے آیا۔
بشر کے ساتھ زمانے میں شاعری آئی

تصرّفاتِ تمنّا تو ہیں وہی فارغ
معاملاتِ یقیں میں مگر کمی آئی

رنجِ ماضی ہے فکرِ فردا ہے
حشر کیسا یہ دِل میں برپا ہے

قصرِ امروز کے دریچوں سے
صُبحِ فردا کو ہم نے دیکھا ہے

مُطمئن کِس قدر میں ہوتا ہوں
جب فریبِ وفا وہ دیتا ہے

ہائے مجبُوریاں مشیّت کی
آدمی آدمی کو ڈستا ہے

مُسکراہٹ لبوں پہ نم آنکھیں
زندگانی بھی اِک تماشا ہے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

اُردو ادب کو آج بھی فیض پہنچ رہا ہے۔

فارغ صاحب کا آبائی وطن ضلع جہلم ہے، آپ ۹ جنوری ۱۹۰۹ء کو ریاست جموّں و کشمیر کے قصبہ ریاسی میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ملازمت سلسلے میں سکونت پذیر تھے، وہیں آپ کا بچپن گذرا اور وہیں سے آپنے بی۔اے کا امتحان پاس کیا

۱۹۳۱ء میں تلاش معاش کے سلسلے میں جے پور تشریف لائے اور ریاست کے فوجی محکمہ میں بحیثیت کلرک ملازمت کا آغاز کیا، کچھ دِنوں کے بعد ملٹری ہیڈ کوارٹر اودے پور میں آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے اور محنت، لگن، دیانت داری اور فرض شناسی کے باعث ترقی کرکے تشکیلِ راجستھان کے بعد راجستھان سیکریٹریٹ میں سیکشن آفیسر بنائے گئے۔

۱۹۶۳ء میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر سے پنشن یافت ہوئے اس کے بعد آپ گھر پر آزادانہ زندگی گذار رہے ہیں۔ کمزوری کے سبب آپ کا مِلنا جُلنا کم ہوگیا ہے۔ اس کے برعکس آپ کو شعر و سخن سے اتنا ہی لگاؤ ہے جِتنا جوانی میں تھا۔

فارغ صاحب کو شعر کہنے اور سننے کا ذوق و شوق بچپن ہی سے ہے۔ کالج کے زمانے میں تعلیم حاصل کرتے والے زمانے میں آپ نے شعر گوئی شروع کردی تھی مطالعہ اور مسلسل مشقِ سخن نے آپ کے کلام میں پختگی پیدا کردی تھی

فارغ صاحب نے ۱۹۴۰ء میں جناب سیمابؔ اکبرآبادی سے اصلاحِ کلام حاصل کی۔ اُستاد کی اصلاح نے آپ کے کلام کو چار چاند لگا دیئے اور استاد نے علمِ عروض کے مطابق تمام فن آپ کو سکھایا۔ یعنی فنِ عروض اور رموزِ سخن سے بہرہ ور کیا۔ اس تعلیم کا فیض ہے کہ آپ کا کلام فنِ محاسن سے آراستہ نظر آتا

چاند تاروں کو دیکھتے رہنا
حسرتِ دید کا تقاضا ہے

ضو فشاں ہیں دیئے تصوّر کے
کتنی روشن رہ تمنّا ہے

لحظہ لحظہ بکھر رہی ہے زیست
یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے

دشتِ غربت میں ٹھوکریں کھاتے
رہنماؤں کو ہم نے دیکھا ہے

حد سے آگے بڑھا ہے جب کوئی
دستِ قدرت نے اس کو روکا ہے

حُسن ایسا حجاب ہے فارغ
جن کے پردے میں اُنکا جلوہ ہے

●●

وہ مدارات و التفات نہیں
اُن کی محفل میں اب وہ بات نہیں

اُن کا غم بھی غمِ دو عالم بھی
مختصر غم کی کائنات نہیں

عشق سرمایۂ حیات سہی
عشق تسکین دہِ حیات نہیں

طول شامِ غمِ فراق نہ پوچھو
اِک قیامت ہے غم کی رات نہیں

عشق حسنِ یقیں کی منزل ہے
عشق بزمِ تصوّرات نہیں

بزمِ عالم میں کوئی اُن کے سوا
چارۂ فرمائے مشکلات نہیں

میری بزمِ حیات میں اے دوست
فعلِ رسمِ تکلفات نہیں

یہ بھی اُن کا کرم ہے جو فارغ
بارِ خاطرِ غمِ حیات نہیں

••

خطا انجام ہو کر رہ گیا ہے
بشر ناکام ہو کر رہ گیا ہے

ترا ملنا بقیدِ زندگانی
خیالِ خام ہو کر رہ گیا ہے

فریبِ اعتبارِ سعیِ پیہم
مرا انجام ہو کر رہ گیا ہے

ہر اک عنواں بیاضِ آرزو کا
ترا پیغام ہو کر رہ گیا ہے

دلِ ناکام کا ہر داغِ حسرت
سوادِ شام ہو کر رہ گیا ہے

وفا کا نام فارغ اس جہاں میں
برائے نام ہو کر رہ گیا ہے

ابھی تک ہے فضائے دِل میں رُوپوش
ہے تیری آرزو بھی مصلحت کوش

شکایت کیا بشر کی کم نظری کی
بشر روزِ ازل سے ہے خطا کوش

سراغِ راہ و منزل کس سے پوچھوں
بیاباں کا ہر اک ذرّہ ہے خاموش

جمالِ آرزو فتنہ بداماں
کمالِ آرزو غارت گرِ ہوش

نئے قصّے مُرتّب ہو رہے ہیں
پُرانی داستانیں ہیں، فراموش

نہیں سُنتا کِسی کی بات کوئی
ہے یہ محفِل کی محفِل پنبہ در گوش

گھٹائیں ہیں اگر سرمست فارغؔ
فضائیں بھی تو ہیں میخانہ بردوش

●●

نئے سانچے مرتب ہو رہے ہیں فکرِ انساں کے
نئے آثار پیدا ہیں طلوعِ صبحِ امکاں کے

یہ اپنی ہٹ نہ چھوڑیں گے وہ اپنی ضد نہ چھوڑینگے
اِدھر ہیں آبلہ پا تو اُدھر کانٹے بیاباں کے

نہ بدلا ہے نہ بدلے گا مقدر اہلِ زنداں کا
سجائے جا رہے ہیں کیوں در و دیوار زِنداں کے

وہی منظر ہے گلشن کا جو منظر ہے بیاباں کا
یہاں دامن کے ٹکڑے ہیں وہاں پرزے گریباں کے

نگاہوں میں بھی ہے باقی اثر خوابِ زلیخا کا
اگر محفوظ ہیں جلوے فضا میں ماہِ کنعاں کے

ہر اک نکتے کی تفسیریں ہزاروں ہم نے کیں فارغ
ہوئے پھر بھی نہ واعقدے بیاضِ کفر و ایماں کے

قبول نذرِ محبّت کرو تو بات بنے
ستم رسیدوں پہ شفقت کرو تو بات بنے

گوارہ رنجِ مُسلسل تو کر لیا لیکن
گوارِ درد کی شِدّت کرو تو بات بنے

قبول جور و جفا کر لئے زمانے کے
قبولِ جبرِ مشیت کرو تو بات بنے

فروغِ جلوۂ باطِل کو دیکھنے والو
نظر کو محوِ حقیقت کرو تو بات بنے

بجا ہے دیر و حرم کا بھی احترام مگر
جو دِل کو وقفِ عبادت کرو تو بات بنے

تخیّلات میں وُسعت تو ہو گئی پیدا
جو پیدا قلب میں وسعت کرو تو بات بنے

درِ حبیب پہ سجدے تو کر لئے فارغ
نثار ذوقِ عبادت کرو تو بات بنے

ہوا زیر و زبر کیسا مذاقِ عام اے ساقی
کہ ہے رسمِ وفا بھی موردِ الزام اے ساقی

کُتر دیتی ہے بال و پر فضا میں اُڑنے والوں کے
بڑی کوتاہ بیں ہے گردشِ ایّام اے ساقی

نظر آتا نہیں کوئی سہارا جب مُصیبت میں
دلِ ناشاد رٹتا ہے ترا ہی نام اے ساقی

بڑی مشکل سے راس آتے ہیں قلبِ ناشکیبا کو
سکوں پرور اگرچہ ہیں غم و آلام اے ساقی

محبّت ڈھونڈھ لیتی ہے مقامِ آرزو اپنا
محبّت میں ہے ناکامی برائے نام اے ساقی

نہیں مٹتا مٹانے سے مقدر کا لکھا فارغ
نہیں رو کے سے رُکتی گردشِ ایّام اے ساقی

زیرِ خنجر بھی مُسکرائے ہیں
گیت سُولی پر ہم نے گائے ہیں

رُک گئے قافلے بہاروں کے
بام و در ہم نے جب سجائے ہیں

یادِ عہدِ شباب بھی آئی
جب کبھی آپ یاد آئے ہیں

آج بھی وادیٔ تصوّر میں
رقص فرما گلوں کے سائے ہیں

ہے۔ اور اس میں کلاسیکی ادب صالح اقدار کے ساتھ عصری تقاضوں کا خوشگوار امتزاج دِکھائی دیتا ہے، زبان و بیان کا حُسن اور الفاظ و معنی کی ہم آہنگی آپ کے کلام کے جوہر ہیں۔

فارغ صاحب نے مختلف اصنافِ سخن غزل نظم قطعہ رُباعی پر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر آپ کا مکمل رجحان غزل کی جانب دکھائی دیتا ہے غزل میں آپ نے فکر و فن کے جوہر دِکھائے ہیں غزل کی صالح روایات کا احترام آپ پوری پاسداری سے کرتے ہیں لیکن گل و بلبل اور جام و مینا کی روایتی اِصطلاحات سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں۔

فارغ صاحب کو فنِ عروض سے دِل چسپی ہی نہیں بلکہ اُس پر عبور حاصل ہے آپ کے فنِ عروض و قافیہ پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے اس کے علاوہ مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر، نواب مرزا داغ، علامہ اقبال، اصغر گونڈوی، علامہ سیماب اکبر آبادی، اعجاز صدیقی اور مولانا قمر واحدی جے پوری (مرحوم) کی منتخب غزلوں کی بحریں تلاش کر کے اُن پر مشتمل ایک رسالہ بھی مرتب کیا۔ اسی طرح آپ نے پسندیدہ اشعار کے فنی نکات پر مشتمل تین بیاض بھی ترتیب دی ہیں، اس کے علاوہ علامہ سیماب اکبر آبادی کی اصطلاحوں کو رسالے کی صورت میں اکٹھا کیا ہے۔ فارغ صاحب نے چند اُپنشدوں اور گیتا کے شلوکوں پر سوانح حیات بھی تحریر کیا ہے۔

راجستھان اُردو اکادمی کی جانب سے شعرائے راجستھان کے منتخب شعرائے کرام کے کلام کی اشاعت کے تحت لکشمی نارائن فارغ صاحب کا مختصر تعارف اور مجموعۂ کلام پیشِ خدمت ہے

ڈاکٹر حسین انور صدیقی سیکروی

:- کنوینر نشر و اشاعت کمیٹی :-

راجستھان اُردو اکادمی جے پور

سچ بتا اے نگاہِ ظاہر بیں
تو نے کتنے فریب کھائے ہیں

گلشنِ زیست کی فضاؤں میں
آج بھی بجلیوں کے سائے ہیں

دُور بزمِ جہاں سے رہ کر بھی
بارہا وہ قریب آئے ہیں

بعدِ مُدّت وہ آج پھر فارغ
کِس قدر مجھ کو یاد آئے ہیں

●●

شدّتِ دیوانگی ہے رہنمائے کوئے دوست
ہر قدم اٹھتا ہے میرا خود بخود اب سوئے دوست

پھر ہوا شیرازۂ تسکینِ خاطر منتشر
زینت آرائے تصوّر پھر ہوئے گیسوئے دوست

کس قدر تفسیر نکلی حق و باطل کی غلط
جب نگاہِ غور سے دیکھی کتابِ روئے دوست

بے نیازِ خشتِ بالیں خوابِ غفلت ہو تو ہو
جلوہ آرائے تصوّر ہے مگر سوئے دوست

کیوں نہ ہو فارغ معطّر نکہتِ گل سے دماغ
ہے بسی رگ رگ میں گل کی بھی تو آخر بوئے دوست

صُبحِ فردا نظر سے ہے رُوپوش
ہے بشر کس قدر تغافل کوش

اِک تماشا ہے بزمِ عالم بھی
کوئی بے خود تو ہے کوئی مدہوش

صُبحِ فردا کے یہ علمبردار
ہیں ابھی تک اسیرِ حلقۂ دوش

رنج و غم حاصلِ حیات سہی
زندگانی مگر ہے عشرتِ کوش

آرزوئے نشاط پر قرباں
نقدِ علم و ہنر متاعِ ہوش

دور دورہ ہے اب نمائش کا
جس کو دیکھو وہی ہے خرقہ پوش

کس کو فارغ سناؤں حالِ دل
بزمِ عالم میں سب ہیں پنبہ بگوش

●●

سرورِ زیست بمقدارِ اضطراب تو دے
"پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے"

سکوں پسندی مری فطرتِ خموش سہی
نظر سے اپنی تو پیغامِ اضطراب تو دے

ہر ایک جلوہ تیرا منتخب سہی لیکن
مری نگاہ کو توفیقِ انتخاب تو دے

فروغِ روح کے جلوے نہ کر عطا لیکن
تصوّرات کو شادابیٔ شباب تو دے

خطا تقاضائے انسانیت سہی لیکن
نظر بلند جنوں کامیاب تو دے

فضا پہ بارشِ کیف و سرور ہو جائے
ہمارے ہاتھوں میں کوئی ذرا رُباب تو دے

ہزاروں نکتہ شناسانِ علم و دیں ہیں مگر
مرے سوال کا فارغ کوئی جواب تو دے

●●

یہ اہتمامِ بزمِ تصوّر تو دیکھئے
ضو ریز چار سو ہیں تمنّاؤں کے دیئے

میخانۂ حیات میں ایسے بھی لوگ ہیں
نشّے میں جھومتے ہیں جو تا زیست بے پیئے

ہو جائیں گی فضائے تصوّر بھی ضو فشاں
روشن چراغِ بزمِ تمنّا تو کیجئے

اُس میکدہ بدوش کی محفل میں ہیں کئی
ہاتھوں میں تہی ساغر و مینا لئے ہوئے

تا زیست آسکی نہ میسّر مئے نشاط
کوتاہیٔ نظامِ تمنّا تو دیکھئے

ہم نے حدیثِ زیست کا عنواں بدل لیا
اِک قلبِ بیقرار کی تسکین کے لئے

آیا مجھے نہ راس وہ دورِ حسیں کبھی جب
جلوہ بدوش شام و سحر تھے مرے لئے

راہ بلند و پستِ جہاں طے تو کی مگر
طے کر سکے نہ ہم غمِ اُلفت کے مرحلے

منزل کی فکر ہے نہ مجھے راہ کا خیال
فارغ کمالِ شوق کی شدت تو دیکھئے

●●

آسودگیِ فکر کا ساماں نہ کر سکے
ہم کاہشِ حیات کا درماں نہ کر سکے

اہلِ جہاں نے توڑے کئی بار بُت مگر
بُت خانۂ مجاز کو ویراں نہ کر سکے

اہلِ جنوں بھی سعیٔ مسلسل کے باوجود
برہم نظامِ عالمِ امکاں نہ کر سکے

طوفاں بھی آئے زلزلے بھی آئے بارہا
شیرازۂ حیات پریشاں نہ کر سکے

روشن کریں گے بزمِ جہاں کے چراغ کیا
اپنے ہی گھر میں جبکہ چراغاں نہ کر سکے

برہم فضائے بزمِ تصوّر تو کی مگر
برہم فضائے حسرت و ارماں نہ کر سکے

فارغ تھی جن کے دستِ شفا کی جہاں میں دھوم
وہ بھی علاجِ گردشِ دوراں نہ کر سکے

بزمِ ہستی ہے وہ نقشِ ناتمام ؔ
تشنۂ تکمیل ہے جس کا نظام

ذرّۂ ناچیز ہے انساں مگر
ہے جہاں میں منتخب اِس کا مقام

محشرِ جذبات ہے گِران کی یاد
کوثرِ تسکینِ خاطِران کا نام

ہے بظاہر ساغرِ تشنہ لبی ؔ
زندگانی ہے بباطن شادکام

رکھ کے پتھر دِل پر اپنے بارہا
کج کلاہوں کو کیا ہم نے سلام

نعمتِ علم و ہُنر دے کر ہمیں ؔ
لے رہی ہے کیوں مشیّت انتقام

ہیں فسردہ غنچہ و گل آج بھی
آج بھی گلچیں ہے فارغ شادکام

دُعا

تُو بنائے منزلِ کون و مکاں
اے قدیم و بے کمال و جاوداں

تیرا پرتو مشرقِ صد آفتاب
تیرے جلووں کا نہیں کوئی حساب

نُور سے اپنے مجھے سیراب کر
میری شمعِ جاں کو عالم تاب کر

(گائتری)

پھر سکوں نا آشنا جذباتِ عالم ہو گئے
پھر فتورِ ہوش کے ساماں فراہم ہو گئے

منتشر شیرازۂ فکر و تصوّر ہو گیا
انتشارِ زیست کے ساماں فراہم ہو گئے

اُس نے بھی تسلیم کرلیں عشق کی مجبوریاں
ہم بھی مانوسِ مزاجِ حُسنِ برہم ہو گئے

ہر قدم پر منزلِ سود و زیاں ہے سامنے
کس قدر پابندِ فکرِ بیش و کم ہم ہو گئے

رفتہ رفتہ اُٹھ گئے پردے حریم ناز کے
رفتہ رفتہ محرمِ اسرارِ غم ہم ہو گئے

دیکھکر بگڑا ہوا افارغ نظامِ زندگی
دِل پریشاں ہو گیا جذبات برہم ہو گئے

رہِ حیات میں وہ بھی مقام آئے گا
یگانہ کام نہ بیگانہ کام آئے گا

سرورِ بادۂ رنج و غمِ حیات کبھی
نہ کام آیا کِسی کے نہ کام آئے گا

ہماری زندگیٔ مختصر کا سرمایہ
ہمارے بعد زمانے کے کام آئے گا

بدل چکی ہے فضا اب نظامِ عالم کی
نہ کام دانہ کِسی کے نہ دام آئے گا

یقیں ہے تشنہ لبوں کو کہ انکی محفل میں
وہ جب بھی آئے گا بادہ بجام آئے گا

وہ جس کی یاد ستاتی ہے رات دِن فارغ
نہ قبلِ صبح نہ وہ بعدِ شام آئے گا

بلند و پست سے نا آشنا لگے ہے مجھے
غریبِ دشتِ طلب رہنما لگے ہے مجھے

بنا دیا ہے زمانے نے کس قدر بے حس
نہ کوئی اچھا نہ کوئی بُرا لگے ہے مجھے

نہ سوز و سازِ تمنّا نہ شدّتِ احساس
بجھا بجھا دلِ آتش نوا لگے ہے مجھے

بجا کہ کارِ تمنّا ہے کھیل بچّوں کا
مگر یہ کارِ تمنّا بھلا لگے ہے مجھے

غبارِ خاطرِ ویراں سے ہے اٹا لیکن
عروسِ زیست کا چہرہ بھلا لگے ہے مجھے

بشر کی ذات سے شکوہ سہی زمانے کو
بشر کی ذات مگر بے خطا لگے ہے مجھے

ملال ہے کوئی فارغ تو بس ملال ہے یہ
دوا لگے ہے نہ کوئی دُعا لگے ہے مجھے

●●

شکستہ سازِ دل ہے اور زبان ولب پہ تالے ہیں
تری محفل کے اندازِ سکوں کوشی نرالے ہیں

ہزاروں بار ناگوں کا صفایا بھی کیا ہم نے
ہزاروں بار مارِ آستیں بھی ہم نے پالے ہیں

بچھا رکھے ہیں میری راہ میں اُس نے اگر کانٹے
مری گردن میں پھولوں کے بھی اُس نے ہار ڈالے ہیں

نہ یہ آسودہ خاطر ہے نہ وہ آسودہ خاطر ہے
اِسے مرنے کا ارماں ہے اُسے جینے کے لالے ہیں

وہی پیرِ مغاں ہے اور وہی ہے میکدہ لیکن
نہ وہ جام وسبو ہیں اب نہ اب وہ پینے والے ہیں

کج کلاہوں سے مری جنگ رہی ہے برسوں
مجھ پہ آغوشِ سکوں تنگ رہی ہے برسوں

کیسے بالیدگیٔ روح میسّر آئے
شاخِ جذبات تہِ سنگ رہی ہے برسوں

کس طرح راس ہمیں کیفِ مسرّت آئے
زندگی غم سے ہم آہنگ رہی ہے برسوں

جب بھی دستورِ کہن اہلِ جہاں نے بدلا۔
بزمِ عالم کی فضا تنگ رہی ہے برسوں

دیکھ کر حسنِ سرِ راہگذر اے فارغ
چشمِ نظّارہ مری دنگ رہی ہے برسوں

دامن کی بات ہے نہ گریباں کی بات ہے
شوریدگیٔ فکرِ پریشاں کی بات ہے

گلشن کا تذکرہ نہ بیاباں کی بات ہے
ذوقِ نظر کی خاطرِ ویراں کی بات ہے

دردِ نہاں کی بات نہ درماں کی بات ہے
کتنی عجیب حضرتِ انساں کی بات ہے

جب ناخدا و کشتی و ساحل کی بات تھی
اب شورشِ حیات کے طوفاں کی بات ہے

وہ داستانِ رنج و غمِ روزگار تھی
یہ انتشارِ فکرِ پریشاں کی بات ہے

وہ درد جس کا ہو نہ سکا آج تک علاج
اُس دردِ جانگداز کے درماں کی بات ہے

فکرِ جواں سے مشورہ فارغ نہ کیوں کروں
افسانۂ شباب کے عنواں کی بات ہے

نظر کو محوِ سرا پردۂ بہار نہ کر
نظامِ فصلِ بہاراں کا اعتبار نہ کر

متاعِ زیست ہے سرمایۂ حیات ہے یہ
عبث شکایتِ اندوہِ روزگار نہ کر

بکھر نہ جائے کہیں آرزو کا شیرازہ
پریشاں بزمِ تصوّر کو بار بار نہ کر

ہے خوب ذوقِ تماشائے برگ و بار مگر
نظر کو وقفِ تماشائے برگ و بار نہ کر

تصوّرات سے اپنے سجا فضاؤں کو
فروغِ صبحِ درخشاں کا انتظار نہ کر

مذاقِ عام نہ فارغ کہیں بگڑ جائے
جنوں کی بات زمانے پر آشکارا نہ کر

کچھ ایسی ہوا اب کے گلستاں میں چلی ہے
دامانِ فضا بوئے محبت سے تہی ہے

منزل نہ کوئی پیشِ نظر جادۂ منزل
اے عمرِ رواں تو بھی کہاں آ کے رکی ہے

یہ ترکِ رہ و رسمِ خلش کر نہیں سکتے
کانٹوں کو عبث بادِ صبا چوم رہی ہے

مجموعۂ اضداد ہے انسان کی فطرت
آنکھوں سے رواں اشک ہیں ہونٹوں پہ ہنسی ہے

آئینہ جذبات میں دوشیزۂ خود بیں
خود اپنے ہی چہرے کی ضیا دیکھ رہی ہے

تجدیدِ مقاصد کا ہے شاید یہ نتیجہ
ہر سمت بپا شورشِ آشفتہ سری ہے

کیوں آہ و فغاں ہوں نہ شرر ریزۂ فارغ
جذبات کے دامن میں ابھی آگ بھری ہے

●●

مری جُدائی میں آنسو بہائے جاتے ہیں
یہ فتنے میری لحد پر جگائے جاتے ہیں

ضیائے حُسن کو درگاہِ دِل ترستی ہے
چراغ دیر و حرم میں جلائے جاتے ہیں

نہیں ستاتے کسی کو بھی جو زمانے میں
وہی زمانے میں اکثر ستائے جاتے ہیں

ضیائے حُسن سے ہوتا ہے جن کا دِل معمُور
چراغ گور پر اُن کی جلائے جاتے ہیں

فسانوں سے نہیں بنتیں حقیقتیں لیکن
حقیقتوں سے فسانے بنائے جاتے ہیں

کہیں غرُور و تکبّر کہیں فتورِ خُودی
ہماری راہ میں رہزن بٹھائے جاتے ہیں

ادب کی محفلِ رنگیں میں رات دِن فارغ
مرے فسانے ہی اکثر سنائے جاتے ہیں

عطا وہ اُن کو ہیں معراجِ آرزو کرتے
جو اُن سے عرش پہ جا کر ہیں گفتگو کرتے

جہاں سے رسمِ مروّت کا نام مٹ جاتا
اگر گوارا نہ ہم رنجشِ عدُو کرتے

مٹی نہ تشنہ لبی، زندگی تمام ہوئی
مئے نشاط سے پُر ساغر و سبُو کرتے

یہ عہدِ نو کے مسند نشیں یہ کیا جانیں
کہ خاکساروں سے کیسے ہیں گفتگو کرتے

جنہیں پسند ہیں نیرنگیاں گلستاں کی
وہ منتخب نہیں عنوانِ رنگ و بُو کرتے

اُلجھتے رہتے ہیں فارغ جو روز کانٹوں سے
وہ اپنا چاکِ گریباں نہیں رفو کرتے

ہم نے دیکھا ہے وہ زمانہ بھی
بارِ خاطر تھا آشیانہ بھی

رفتہ رفتہ سمجھ میں آئے گا
ہر حقیقت ہے اِک فسانہ بھی

بھُول جاتا ہے جاں نثاروں کو
کِتنا کم ظرف ہے زمانہ بھی

سُست گامی نے اب تراشا ہے
آبلہ پائی کا بہانہ بھی

درحقیقت ہے آدمی کا مزہ
عارفانہ بھی عاشقانہ بھی

ٹھوکروں میں ہے زمانے کی
بتکدہ بھی شرابخانہ بھی

وہ بھی فارغ عجب زمانہ تھا
عشق ہوتا تھا غائبانہ بھی

••

غیروں سے مروّت ہے اپنوں سے نہ ہمدردی
انسان کی قیمت خود انسان نے کم کردی

ہے صبحِ مسرّت کی تابندہ جبیں بیشک
خورشید کے چہرے پہ لیکن ہے ابھی زردی

ہر راہ میں کیں پیدا دشواریاں خود ہم نے
جس سمت قدم اٹھے دیوار کھڑی کردی

انسان کی فطرت بھی اک طرفہ تماشا ہے
یہ آبلہ پائی اور یہ جوشِ جہاں گردی

کچھ مشقِ تصوّر نے سانچے میں انہیں ڈھالا
کچھ ذوقِ تماشا نے تائیدِ نظر کردی

باقی ہے کہاں فارغ اس دور کے انساں میں
وہ ہمّتِ مردانہ وہ جذبۂ پا مردی

فسادِ علم و فن دیکھا فتورِ خیر و شر دیکھا
بپا ہر چار سو ہنگامۂ فکر و نظر دیکھا

جمالِ خنجرِ قاتل کا بھی رعب و اثر دیکھا
مذاقِ سرفروشی کا بھی ہم نے کر و فر دیکھا

مری تقدیر میں اُس نے حیاتِ جاوداں لکھدی
مری عمرِ رواں کا سلسلہ جب مختصر دیکھا

ہزاروں راہبر دیکھے ہزاروں راہزن دیکھے
وفورِ شوق سے بہتر نہ کوئی راہبر دیکھا

نکالا موجِ طوفاں سے سفینہ بارہا فارغ
کبھی بحرِ محبت میں بھی تو نے ڈوب کر دیکھا

مائلِ لُطف و کرم اُن کی نظر ہو کہ نہ ہو
معتبر رسمِ وفا بارِ دِگر ہو کہ نہ ہو

آہ و فریاد کا تو کوئی اثر ہو نہ سکا
اُن پہ مظلوم نِگاہی کا اثر ہو کہ نہ ہو

ہم در و بام تصوّر تو بدل ڈالیں گے
وادیٔ غم کی فضا زیر و زبر ہو کہ نہ ہو

بزمِ تجدید مقاصد تو رہے پیشِ نظر
اوجِ انجامِ مقاصد پہ نظر ہو کہ نہ ہو

زندگانی کے تقاضوں سے تو مانوس رہے
دل کو قدرت کے ارادوں کی خبر ہو کہ نہ ہو

مطلعِ فکر سے پھوٹی ہے نئی ایک کرن
گوشۂ دل کی طرف اس کا گذر ہو کہ نہ ہو

مشعلِ راہِ عمل علم و ہنر ہے فارغ
مشعلِ راہِ یقیں علم و ہنر ہو کہ نہ ہو

••

○

خوگرِ رسمِ وفا ہوں ۔ مائلِ بیداد بھی
عادتاً مجبور بھی ہوں، فطرتاً آزاد بھی

جذبۂ احساس ہی کچھ بدگماں اُن سے نہیں
بدگماں اُن سے ابھی تک ہے دلِ ناشاد بھی

ورطہ و گرداب بھی ہے کشتی و ساحل بھی ہے
ہے عجب طُرفہ تماشا عالمِ ایجاد بھی

اِضطرابِ شوق کی رخنہ گری کے باوجود
شاد بھی برسوں رہا دل اور رہا ناشاد بھی

داستاں میری مکمّل داستانِ زیست ہے
حُسن کا قِصّہ بھی ہے اور عشق کی رُوداد بھی

ہے گوارا بزمِ زنداں کی فضا تک بھی اِسے
کِس قدر معصُوم ہے یہ فطرتِ آزاد بھی

گر یہی عالم رہا فارغؔ زوالِ عشق کا
بھُول جائے گا زمانہ نالہ و فریاد بھی

••

○○○

دل فدائے لذتِ غم، جاں نثارِ انتظار
راس آئے کیوں نہ رنجِ بے شمارِ انتظار

ذرّہ ذرّہ کیوں نہ ہو آئینہ دارِ انتظار
ہے بنائے بزمِ ہستی اعتبارِ انتظار

قطرہ قطرہ اشکِ غم کا ہے اگر طوفاں بدوش
ذرّہ ذرّہ خاکِ دل کا بے قرارِ انتظار

یتیموں کے نالے غریبوں کی آہیں
تمدّن کی آندھی کی ہیں یہ گھٹائیں

تمہارے تغافل کو اِس کی خبر کیا
محبّت نے مانگی ہیں کتنی دُعائیں

ترے عفو کا ڈھونڈتی ہیں سہارا
مری نوجوانی کی رنگیں خطائیں

ترے عشق کی دِلرُبا وادیوں کے
یہ دشوار رستے یہ پیچیدہ راہیں

دِکھا کر رہیں گی اثر اپنا فارغ
نگاہوں کی بھیگی ہوئی التجائیں

ابتدائے آرزو ہے تشنگی ہی تشنگی
انتہائے آرزو کیف و خمارِ انتظار

پیرہن بدلے گی اپنا زندگانی خود بخود
دیکھکر رنگینیٔ صبحِ بہارِ انتظار

آدمی بھی کیا عجب مجموعۂ اضداد ہے
برمیں جوشِ آرزو سر میں خمارِ انتظار

آرزو پھیلائے فارغ اپنا دامن کسطرح
مختصر ہے چادرِ گرد و غبارِ انتظار

●●

نہ اشکِ تر نہ آہِ مختصر کی بات ہوتی ہے
تصوّر میں مقاماتِ نظر کی بات ہوتی ہے

کبھی ہوتا تھا چرچا رات دن صبح گلستاں کا
مگر اب تو فقط گلہائے تر کی بات ہوتی ہے

اثر رہتا ہے مدّت تک فضا میں آہِ سوزاں کا
اگرچہ دردِ نہاں مختصر کی بات ہوتی ہے

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے
بہت ہی مختصر اہلِ نظر کی بات ہوتی ہے

کبھی سازِ تغزل پر جنوں کے راگ ہوتے تھے
مگر اب تو فقط ذوقِ نظر کی بات ہوتی ہے

ہوا پسپا مذاقِ آرزو بھی کس قدر فارغ
نہ بال و پر نہ اب دیوار و در کی بات ہوتی ہے

جہاں میں ہم نے کچھ کھویا نہ پایا
فریبِ آرزو بے کار کھایا

بہت دشوار تھا مر مر کے جینا
بالآخر ہم نے یہ بھی کر دکھایا

نشاطِ زیست نے انگڑائیاں لیں
ترانہ زندگی نے جب بھی گایا

بصد مشکل دلِ عشرت زدہ کو
غم و آلام کا خوگر بنایا

نہ کام آیا مذاقِ خود نمائی
نہ ذوقِ خود پسندی کام آیا

ستایا جب بھی اے فارغ بشر کو
غم و آلامِ ناحق نے ستایا

جفا کیسی رہ و رسمِ وفا کیا؟
محبت میں روا کیا نہ روا کیا

سلامت اپنی خوئے دوستداری
کسی کی سرد مہری کا گلا کیا

سہارا بال و پر کا ڈھونڈتی ہے
مری فکرِ رسا کو ہو گیا کیا

بچھڑ کر کاروانِ آرزو سے
نشانِ راہ و منزل ڈھونڈنا کیا

مہ و انجم سے اب ٹکرا رہی ہے
یہی ہے خودسری کی انتہا کیا

نہیں لگتی کوئی بھی بات اچھی
مجھے فارغ نہ جانے ہو گیا کیا

بساطِ رنگ و بُو آتش فشاں معلوم ہوتی ہے
رگِ گُل میں نہاں برقِ تپاں معلوم ہوتی ہے

تمنّا ہی سے قائم ہے وقارِ نوجوانی بھی
تمنّا گرچہ جنسِ رائیگاں معلوم ہوتی ہے

کنارہ ہے کوئی اس کا نہ اس کا کوئی ساحل ہے
محبّت ایک بحرِ بیکراں معلوم ہوتی ہے

گذشتہ وارداتوں پر میں جب بھی غور کرتا ہوں
مجھے ہر واردات اِک داستاں معلوم ہوتی ہے

وفاکوشی کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے پیری میں
وفا پروردۂ فکرِ جواں معلوم ہوتی ہے

اثر باقی ابھی تک ہے نگاہوں میں جوانی کا
مجھے ہر ایک شئے اب بھی جواں معلوم ہوتی ہے

جفا و جور کے قصّے ہیں اب بھی معتبر فارغ
وفا کی بات زیبِ داستاں معلوم ہوتی ہے

●●

اپنے سینے میں نہاں رکھتے ہیں نشتر کچھ لوگ
منت غیر کے ہوتے ہیں خوگر کچھ لوگ

دھجیاں جیب و گریباں کی اڑا دیتے ہیں
رو میں جذبات کی بہہ جاتے ہیں اکثر کچھ لوگ

خرمن زیست میں خود آگ لگا لیتے ہیں
ایسے بھی شعلہ نفس ہوتے ہیں اکثر کچھ لوگ

فطرتاً نوعِ بشر مائلِ پیکار سہی
جذبۂ امن کے بھی ہوتے ہیں خوگر کچھ لوگ

سعیٔ پیہم سے کبھی صبر و تحمّل سے کبھی
اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں مقدّر کچھ لوگ

لب پہ ہوتا ہے نہ شکوہ نہ شکایت کوئی
ہوتے ہیں صبر و تحمّل کے بھی پیکر کچھ لوگ

دولتِ حُسنِ یقیں اپنی لٹا کر فارغ
قدرِ خود اپنی گھٹا لیتے ہیں اکثر کچھ لوگ

••

نہ خودسری کا نتیجہ نہ سرکشی کی دلیل
مذاقِ سعیِ مسلسل ہے زندگی کی دلیل

خلش ہو تیرِ نظر کی کہ نشترِ غم کی
نہ یہ پیامِ مسرّت نہ وہ خوشی کی دلیل

جنونِ دشت نوردی دلیلِ عشق سہی
شکستِ پائے طلب بھی ہے عاشقی کی دلیل

دلیلِ زیست اگرچہ ہے ناشکیبائی
سکوں پسندیِ غم بھی ہے زندگی کی دلیل

سکونِ قلب ہی فارغ دلیلِ زیست نہیں
ہے اضطرابِ مسلسل بھی زندگی کی دلیل

منظرِ فکر و تصوّر ہی سجایا جائے
عہدِ رفتہ کا نشان دِل سے مٹایا جائے

شامِ رفتہ کی تو مانگ سجائی نہ گئی
صبحِ فردا کی جبیں ہی سجائی نہ گئی

نہ سہی نالہ و فریاد کی جرأت لیکن
گیت تجدیدِ مقاصد ہی کا گایا جائے